عارف نوشاہی*

مثنوی جہان آشوب: اٹھارویں صدی میں ہندوستان کی سیاسی و سماجی حالت پر شاعرانہ نوحہ

شہر آشوب

''شہر آشوب'' شاعری کی وہ صنف ہے جو دو مفہوم ابلاغ کرتی ہے۔ پہلے مفہوم کا اطلاق ایسی نظم پر ہوتا ہے جس میں شاعر کسی شہر کی تعریف یا مذمت کرتا ہے۔ اس میں کسی شہر یا اس کے باشندوں کا بذات خود اچھا یا برا ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ شاعر کو وہ شہر اچھا یا برا لگنا معیار ہے۔ اس نوعیت کا ایک قدیم شہر آشوب انوری ابیوردی (م:۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء) سے منسوب ہے جو انھوں نے بلخ کی مذمت اور نیشاپور کی تعریف میں لکھا ہے:

بلخ شہریست در آگندہ بہ اوباش و رنود　　در ہمہ شہر و نواحیش یکی بخرد نیست
مرو شہریست بہ ترتیب ہمہ چیز در او　　جد و ہزلش متساوی و بری ہم بد نیست
حبذا شہر نشاپور کہ در ملک خدای　　گو بہشت است، ہمان است، وگرنہ، خود نیست

درحقیقت شہر آشوب ایسی شاعری کو کہتے ہیں جس میں کسی شہر یا ملک کے حالات کا اچھا یا برا ہونا اور اس کے دیگر محاسن ومعایب کا ذکر ہو اور ساتھ ہی وہ حالات یا محاسن ومعایب معاشرتی بے چینی پیدا کرنے کا باعث بھی ہوں۔

شہر آشوب کا دوسرا مفہوم ایسی شاعری پر اطلاق ہوتا ہے جس میں شعرا مختلف پیشوں اور

بنیاد جلد ۵، ۲۰۱۴ء

عارف نوشاہی

طبقوں خصوصاً اہل جمال کی تعریف کرتے ہیں۔شعرا کے پیش نظر پیشوں سے وابستہ یہ اہل جمال، اَمرد ہی ہوتے ہیں۔''شہر آشوب'' مثنوی، رباعی، قطعہ، قصیدہ، غزل اور فرد اصناف میں کہا جاتا رہا ہے۔شہر آشوب کو شہر انگیز، عالم آشوب اور دہر آشوب بھی کہا جاتا ہے۔[1]

فارسی ادب میں پہلا معلوم شہر آشوب، مسعود سعد سلمان لاہوری(م:۵۱۵ھ /۱۱۲۱ء) کا ہے۔[2] مسعود کا یہ شہر آشوب انھی روایتی موضوعات پر مشتمل ہے جس میں اہل جمال کی ستائش ہے۔رفتہ رفتہ، شہر آشوب کے موضوع میں تبدیلی آئی اور شعرا نے سیاسی و سماجی مسائل اور معاشرتی انحطاط وغیرہ موضوعات پر شہر آشوب لکھے۔احمد یار خان یکتا خوشابی کی مثنوی جہـــان آشــوب، شہر آشوب کی اسی تبدیل شدہ شعری روایت کی آئینہ دار ہے۔بادشاہِ وقت کی وفات سے ایک شہر نہیں، بلکہ پوری سلطنت -ہندوستان- متزلزل اور انحطاط پذیر ہوئی،اس لیے بجا طور پر اسے جہـــان آشــوب کہا گیا ہے۔

احمد یار خاں یکتا خوشابی

عالمگیری عہد میں خوشاب (پنجاب) کے ایک شاعر احمد یار خاں متخلص بہ یکتا (وفات:۲۳ جمادی الاوّل ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۴ء) گذرے ہیں۔وہ صاحب دیوان، مثنویات ہیرورانجھا و گلدستۂ سخن، جہان آشوب اور نثر میں رسالہ شش فصل کے مصنف ہیں۔عالمگیری دور میں وہ ٹھٹھہ (سندھ) میں ناظم رہے۔یکتا کچھ عرصہ دہلی میں بھی رہے۔وہاں کے اکابر سخن سعد اللہ گلشن، سراج الدین علی خاں آرزو اور بندرابن داس خوشگو وغیرہ انھیں جانتے تھے۔بارھویں صدی ہجری/اٹھارویں صدی عیسوی کے شعرا کے کم وبیش سبھی تذکروں میں ان کا ذکر مل جاتا ہے۔میں نے ان کے دستیاب تمام حالات اپنی کتاب گوہر یکتا میں جمع کر دیے ہیں۔[3]

مثنوی جہان آشوب

تذکروں میں یکتا کی دیگر مثنویوں، بالخصوص مثنوی جہان آشوب در فوت عالم گیر کا ذکر ملتا ہے:

۱۔سرو آزاد: ''مثنویات متعدد دارد مثل گلدستۂ حسن و شہر آشوب وغیر ذلک''[4]

۲۔ید بیضا میں جہان آشوب سے یہ اشعار نقل ہوئے ہیں:

امیران کہن بی قدر و قیمت چو مال مردہ یا مال غنیمت
ہمہ در خاک بیقدری فسردہ چو شمشیر اصیل زنگ خوردہ
کہن جاگیر مردم شد بہ تاراج بہ دست مطرب و حجام و حلاج[5]

۳۔سفینۂ خوشگو میں صرف ''مثنویات دارد'' لکھا ہے۔[6]

۴۔سفینۂ ہندی میں جہان آشوب کا نام ملتا ہے۔[7]

یکتا کی مثنوی جہان آشوب کے قلمی نسخے کا علم مجھے پہلی بار گوہر یکتا کی اشاعت کے بعد ۲۰۱۲ء میں ڈاکٹر نجم الاسلام کے ایک پرانے مضمون کے ذریعے ہوا جو ۱۹۸۸ء میں شائع ہو چکا تھا۔[8] اسی لیے گوہر یکتا میں جہان آشوب کے بارے میں صرف مذکورہ بالا تذکروں کے حوالے پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔ڈاکٹر نجم الاسلام کا یہ مضمون میرزا محمد مقیم کے ایک قلمی بیاض سے متعلق ہے جس کا نسخہ،سندھ یونی ورسٹی سنٹرل لائبریری، جام شورو، نمبر 113528 میں موجود ہے (مذکورہ مضمون میں اس کا نمبر غلط طور پر 113527 شائع ہوا ہے)۔مثنوی کا متن اس بیاض کے قدیم ورق شمار کے مطابق ۳۰۲ تا ۳۰۶،اور جدید صفحہ شمار کے مطابق ۵۲۹ تا ۵۳۷ نقل ہوا ہے۔متن بہت گنجان کتابت ہوا ہے۔کاتب نے حوض میں چار کالم اور حاشیے پر ایک کالم رکھا ہے۔تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔خط نستعلیق شکستہ مائل ہے، جو آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔میرے لیے تا حال یہ اس مثنوی کا واحد معلومہ نسخہ ہے جو ایک بیاض میں محفوظ ہو گیا ہے۔اس بیاض کا اصل جامع، ایک فاضل شخص، میرزا محمد مقیم بن جی مہرانی ہمدانی ہے جو جنوبی ہندوستان میں رہا ہے۔مقیم کے بعد یہ بیاض کئی افراد کی ملکیت میں رہا،چنانچہ ہر ایک نے حسب ذوق اس کے مندرجات پر اضافہ کیا۔ڈاکٹر نجم الاسلام نے متعین کیا ہے کہ میرزا مقیم یہ بیاض ۱۰۴۵ھ اور ۱۰۴۸ھ کے درمیان لکھ رہا تھا۔[9] اس صورت میں یہ بات یقینی ہے کہ یکتا کی مثنوی جہان آشـــوب کا اس بیاض میں اندراج بعد کے کاتبوں نے کیا ہے۔کیونکہ ۱۰۴۵ھ اور ۱۰۴۸ھ کے مابین اس مثنوی (اور شاید خود یکتا کا بھی) وجود نہیں تھا۔

یہ مثنوی،اورنگ عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ /۱۷۰۶ء) کے بعد ہندوستان میں ہونے والی

ابتری، معاشرتی انحطاط اور اخلاقی اقدار کی پستی کا بے حد موثر نوحہ ہے۔ شاعری بہت زور دار ہے اور یکتا کے فنی مرتبے کے بارے میں حسنِ ظن پر پورا اترتی ہے۔ وہی خصوصیات ہیں جو یکتا کے دوسرے مسلمہ کلام میں ہیں، یعنی: ترکیبات کا حسن، شکوہِ بیان، سلاست، روانی کلام وغیرہ۔ سبک ہندی کی اکثر خصوصیات، جیسے تشخیص، وابستہ ہائے عددی، تشبیہ اور استعارہ کی ندرت اس مثنوی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے اس مثنوی کا پہلے کہیں جامع تعارف نہیں ہوا ہے۔ چونکہ مجھے اس مثنوی کا متن حاصل ہے اور میں نے اسے کئی بار بغور پڑھا اور اشاعت کے لیے تیار کیا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ علمی دنیا کو بھی یکتا کی اس مثنوی کے مندرجات اور خوبیوں سے آگاہ کر کے اس نو دریافت علمی سوغات سے لطف اندوزی میں شریک کیا جائے۔

مثنوی جہان آشوب کا خلاصہ:

شاعر نے تمہید بطور صنعت براعت استہلال لکھی ہے جس میں اشارہ ملتا ہے کہ اس مثنوی میں حوادث زمانہ کا ذکر ہوگا۔ اس کے بعد شاعر نے اپنے ذاتی حالات کی طرف اشارہ کیا ہے، جو پریشان حالی پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ اپنے پرانے دنوں کو یاد کرتا ہے جب خوش بختی کا ہما اس کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ ایسے میں وہ ایک صبح ایک دشت میں پہنچتا ہے جہاں بہار اپنے پورے جوبن پر ہے۔ شاعر، ان نظاروں میں محو ہے کہ ایک قاصد، اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کی خبر لے کر آتا ہے۔ اس خبر سے اس کو ذاتی طور پر بہت صدمہ ہوتا ہے اور ملک پر بھی اس کے بہت برے اثرات محسوس کرتا ہے۔ شاعر غریب الوطن ہو کر وہاں سے بظاہر کسی قافلے کے ساتھ دکن پہنچتا ہے۔ اسی قافلے میں ایک رات اس کی ملاقات ایک آزاد مرد/درویش سے ہوتی ہے جس سے وہ لشکر دیکھنے کی آرزو کا اظہار کرتا ہے۔ صبح طلوع ہوتی ہے تو بھانت بھانت کے لوگ نظر آتے ہیں۔ شاعر، ان کا تماشا کرتا ہے اور درویش کی زبان سے اس ہجوم کے ایک ایک فرد کی خصلت پر تبصرہ کرتا ہے اور ان کی حالت زار کا نقشہ کھینچتا ہے۔ عالمگیر کی وفات سے حالات بدل چکے ہیں اور معاشرے میں انحطاط پیدا ہو چکا ہے۔ جنگِ تخت نشینی سے سلطنت ہند کا ڈھانچا شکست و ریخت کا شکار ہے۔ نو دولتیوں کا عروج

ہے۔ اس دور میں نوابی کی شرائط یہ تھیں کہ تمام معاشرتی اور اخلاقی برائیاں اس شخص میں جمع ہوں۔ یہ نواب جب آپس میں بیٹھتے تو سوائے غیبت، فحش گوئی اور ہرزہ سرائی کے کچھ نہ کرتے۔ شاعر نے یہاں نو دولتیوں کے مزاج اور عادتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ زمانے کے یہ تمام بُرے حالات بیان کر کے، شاعر خدا کے حضور مناجات کرتا ہے کہ وہ اپنی قدرت سے یہ دن پھیر دے۔ وہ بادشاہِ وقت کے لیے طلبِ توفیق کرتا ہے۔ پھر بادشاہ کے جود و سخا کا قصیدہ پڑھتا ہے۔ ساتھ ہی اس کو غلط بخشیوں پر ٹوکتا ہے اور نصیحت کرتا ہے کہ وہ اچھے اور برے کی تمیز کر کے بذل و عنایت کیا کرے۔ اختتامی اشعار میں کتاب کا نام اور مقصد تصنیف بتایا گیا ہے۔

مثنوی جہان آشوب کا تفصیلی جائزہ:

یہ جائزہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں اس مثنوی کے مندرجات اور مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں مثنوی کے ادبی اور بلاغی محاسن کی چند مثالیں دی گئی ہیں۔

مثنوی کا زمانہ تصنیف:

اورنگ زیب کی وفات ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء میں اور یکتا کی وفات ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۴ء میں واقع ہوئی۔ یہ مثنوی اس درمیانی عرصے کی تصنیف ہے۔ خود شاعر نے واضح طور پر زمانہ تصنیف نہیں بتایا۔ لیکن مثنوی کے آخر میں نام لیے بغیر، اپنے دور کے بادشاہ کی مدح کی ہے جس کے فیض سے ایک زمانہ سیراب ہو رہا تھا اور اس کا جود و سخا عام تھا۔

شہنشاہا، خلافت دستگاہا / شکستہ پرورا، عالم پناہا
نیامد چون تو شاہی در زمانہ / محیط فیض بی حصر و کرانہ
ز فیضت عالمی سیراب گردید / دل دریا ازین رشک آب گردید[10]

اورنگ زیب کے بعد ہندوستان میں شاعر کی وفات تک حسب ذیل حکومتیں رہی ہیں:

شاہ عالم بہادر شاہ اوّل: ۱۱۱۸-۱۱۲۴ھ/۱۷۰۷-۱۷۱۲ء

جہاندار شاہ: ۱۱۲۴-۱۱۲۵ھ/۱۷۱۲-۱۷۱۳ء

فرخ سیر: ۱۱۲۵-۱۱۳۱ھ/۱۷۱۳-۱۷۱۹ء

رفیع الدولہ: ۲۰ رجب تا ۱۷ ذوالقعدہ ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء

محمد شاہ: ۱۱۳۱-۱۱۶۱ھ/۱۷۱۹-۱۷۴۸ء

معلوم نہیں شاعر کا اشارہ ان میں سے کس بادشاہ کی طرف ہے؟ یکتا نے مثنوی ہیر ــــــــــــ ر ورانجھا میں بھی اپنی پیرانہ سالی اور مصائب کا ذکر کیا ہے۔جہان آشوب کی تصنیف کا دور بھی اس کے مصائب کے دور سے مصادف ہے۔لگتا ہے یکتا ٹھٹھہ کی نظامت اور عالمگیر کی وفات کے بعد سنبھل نہیں سکے تھے۔اگرچہ بتایا جاتا ہے وہ اواخر عمر میں محمد شاہی عہد میں اپنے والد کی جگہ غزنی کی تھانہ داری پر مامور ہوگئے تھے۔[۱۱] لیکن شاید یہ منصب ان کو آسودہ حال نہ کرسکا۔ویسے بھی مثنوی جہان آشوب شاعر کے ذاتی کرب سے زیادہ ہندوستان کے مجموعی سیاسی اور معاشرتی زوال پر اس کے کرب کا اظہار ہے۔

بادشاہِ وقت کے لیے مدحیہ اشعار میں تعریض واحتجاج بھی ہے اور یہ مدح، شبیہ الذم ہوگئی ہے۔مثلاً بادشاہ کی بخشش اور سخاوت اس قدر عام ہے کہ ہر پاجی، ''خان'' ہوگیا ہے۔امارت کی کوئی قدر نہیں ہے۔بادشاہ کا انعام اور خزانہ سؤروں اور کتوں کو نصیب ہے۔کوؤں کی ڈاریں، بازوں کے ساتھ اڑرہی ہیں۔غیرت مندوں کی غیرت رخصت ہوچکی ہے۔نفر، صاحب اور صاحب، نفر بن گیا ہے۔

شریف لوگ کم ذاتوں کے آگے ذلیل وخوار ہیں:

چنان شد عام جودت در زمانہ   کہ شد خانی و منصب پاجیانہ
نمی پرسد کسی نرخ امارت   امارت داد احسانت بہ غارت
سر بندی نوکران فوجداران   بہ عہدت صوبہ داران اند با شان
ز بذلت بی تلاش و محنت و رنج   نصیب خوک و سگ شد نعمت و گنج
بہ نوعی عدل و دادت سحر ساز است   کہ خیل زاغ ہم پرواز باز است
شدہ محتاج نامردان دلیران   بہ پیش گربہ در دم لابہ شیران
ز امداد تو روباہان پلنگ اند   برای قتل شیران تیز چنگ اند
غیوران را غیور از سر بہ در شد   نفر، صاحب شد و صاحب نفر شد
یلان را جور حیزان دل خراشد   نہنگ از شور غوکان ژندہ باشد

نجیبان پیش کم ذاتان بہ زاری   کسان از ناکسان در رنج و خواری[۱۲]

شاعر، بادشاہ کی سفلہ پروری اور غلط بخشیوں پر ناخوش ہے اور اس کا برملا اظہار کرتا ہے۔وہ اپنی راست گوئی کو شیخ سعدی کے اقوال (مندرجہ گلستان) سے تقویت دیتا ہے:

عجب دارم ازان ذات مقدس   کہ قوم سفلہ را می خواہد و بس
مبرّا آبروی سفلۂ خر   چو سگ گردید تر ، باشد نجس تر
ز خیل سفلہ گر بودی یکی مرد   خدا این فرقہ را پاجی نمی کرد
چو پاجی دست یابد بر زر و مال   کند اشراف را در لحظہ پامال
نباشد سفلہ شایان عنایت   صحیح است از بزرگان این روایت
بہ نیکی بد نژادان را مکن یاد   ز سعدی این نصیحت یاد کن یاد
''زمین شور سنبل بر نیارد   درو تخم امل ضایع مگردان
نکوئی با بدان کردن چنانست   کہ بد کردن بہ جای نیک مردان''
ز نغمہ خارج است این صوت آہنگ   نوازش ہای بی قانون، بی چنگ
کرم زیبندۂ آفاق باشد   اگر بر اہل استحقاق باشد
نہ ہر قد لایق تشریف سلطان   نہ ہر بد قابل نیکی و احسان[۱۳]

شاعر کو اپنے مُلک سے محبت ہے اور وہ اس گلستانِ وطن کو اپنی آنکھوں کے سامنے اجڑتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔اسے اپنے سچ بولنے کی طاقت پر یقین ہے۔اسی لیے بادشاہ کو نصیحت کرتا ہے:

بیان ہا راست می گویم ، گلہ نیست   گلستان است مُلک من ، بلہ نیست
ولی ناپاک چندی گندہ کردند   ز لوث فتنہ اش آگندہ کردند
فغان ہا برق زد در خرمن ماہ   عزیزان را نماندہ در جگر آہ
بہ گردون سر کشید این داد و فریاد   ترا باید جواب نیک و بد داد
حذر کن از خدنگ آہ دل خیز   بترس از آتش آہ جگر ریز
ترا حق داد گنج پادشاہی   بہ شکرش عدل کن ، گر فضل خواہی[۱۴]

مثنوی کا نام:

چو من این نامہ را کردم تمامش   ز غیب آمد ''جہان آشوب'' نامش[۱۵]

ہندوستان کی سماجی حالت:

جیسا کہ بیان ہو چکا ،یہ مثنوی عالمگیر کی وفات کے بعد ہندوستان کے سماجی حالات کا مرثیہ ہے۔شاعر نے ابتدا ہی میں بہت بلیغ اختصار کے ساتھ، زور دار انداز میں عالمگیر کا نوحہ اور بعد کی صورت حال پر جامع تبصرہ کردیا ہے:

نظام و عدل و تمیز و فتوّت   عطا و قدردانی و مروّت
نشاط و عشرت و جمعیت دل   ہمہ رفتند با خاقان عادل[۱۶]

شرفا کی ذلت وخواری،امرا کی زبوں حالی اور نو دولتیوں کا عروج بھی ایسا موضوع ہے جو اکثر شہر آشوب نظموں میں ملتا ہے اور کئی غزلوں اور قطعوں میں بھی۔یکتا کے اس بیان میں گہرا رنج اور غم وغصہ جھلکتا ہے کیونکہ وہ خود بھی زد میں آئے تھے۔یہ بھرپور اور کامیاب اشعار ہیں اور یکتا کے دور زبوں حالی سے متعلق خود شاعر کا بیان ہیں۔اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ غالبًا یہ ان کے عہد تھانہ داری کی یادگار نہیں بلکہ ایسے ایام میں لکھے گئے جب وہ منصب و جاگیر وغیرہ سے محروم ہو گئے تھے:

بہ کام سفلہ شد دور زمانہ   درآمد ظلم با چنگ و چغانہ
چگویم تا چہ شد حال غریبان   خصوصاً جمع اشراف و عزیزان
ہمہ بی اعتبار و خوار گشتند   خراب کوچہ و بازار گشتند
ہمہ جاگیر و زر برباد دادند   بہ خاک عجز و محنت رو نہادند
منِ محزون کہ بودم زان جماعت   ولی افزون ز قدر و استطاعت
شدم پامال انبوہ حوادث   فتاد از ہر طرف کوہ حوادث
چہ آفت ہا کہ بر من رو نیاورد   بر آورد از اساس ہستی ام گرد
چہ تلخی ہا کہ از طالع کشیدم   چہ خواری ہا کہ از دوران ندیدم
ز بس سرگشتگی ہا ہمچو مجنون   دویدم ہر طرف در کوہ و ہامون
فلک از بہر سرگردانی من   فلاخن گشت و من سنگ فلاخن[۱۷]

ہجو دکن:

دکن اس دور میں ایک ابھرتی ہوئی خود مختار ریاست تھی اور قدیم خانوادوں کے اکثر شرفا

بنیاد جلد ۵، ۲۰۱۴ء

اُدھر کا رُخ کررہے تھے۔لیکن یکتا کو وہاں بھی ریشہ دوانیاں نظر آتی ہیں۔شاعر کا بیان ہے وہ آوارہ گردی کے بعد دکن پہنچتا ہے،لیکن وہاں بھی سفلوں کا عروج پاتا ہے۔شاعر نے دکن کا ذکر اچھے پیرائے میں نہیں کیا۔اس کا سبب وہاں کا میدان جنگ بنا رہنا ہے۔اسے دیکھ کر دہشت بڑھتی تھی،وہاں کا ماحول کدورتوں سے بھرا تھا:

ز بس آوارہ گردی ہا بہ ناکام   رسیدم در کہن دشتی، دکن نام
چہ دشتی خون چندین خلق خوردہ   سیہ از رنگ خون ہای فسردہ
معاذاللہ قیامت سرزمینی   برای قتل عالم در کمینی
سوادش دیدہ را دہشت فزودی   کہ وحشت نیز ازو وحشت نمودی
نہ دشتی ، تیرہ ابری بی سروپا   سواد صد جبش حل کردہ دریا
محیطی از کدورت ہا سیہ پوش   ز امواج بلا در فتنہ و جوش[۱۸]

مفلسی کی تصویر:

مفلسی کے ہاتھوں غیرت مند ایسے بے لباس تھے جیسے ننگی تلوار:

ز دست مفلسی جمعی غیوران   ہمہ بی جامہ چون شمشیر عریان
از ایشان رزق وحشت کردی ہر سو   برات عاشقان بر شاخ آہو[۱۹]

آگے چل کر شاعر نے ایک ایک فرد کی مفلسی کی تصویر کھینچی ہے:

جہانی دیدم از روزی تلاشان   ز روز تیرہ بر سر خاک پاشان
بی نان آبرو برباد دادہ   بہ صحرای عقوبت رو نہادہ
خراب یک دم آب و لب نان   رسیدہ از تب فاقہ بہ لب جان
یکی ترسان، یکی حیران، یکی خوار   یکی گریان ، یکی بریان ، یکی زار
یکی را غم بہ دل جاگیر گشتہ   ز عمر و زندگانی سیر گشتہ
یکی بر عالم بالا برآتش   ز دنیا رخت بر بستہ حیاتش
یکی از جوع گشتہ سینہ بریان   گزیدہ پشت دست از حسرت نان
یکی صد شعلہ آہ از دل برون کش   ز تیر نالہ خالی کردہ ترکش
یکی از فکر سر افگندہ در پیش   دران افگندن سر رفتہ از خویش

یکی دیگر خیال اندیش گشته   ز مژگان پشت پالش ریش گشته
یک از غیرت سراپا قطرهٔ خون   یک از حیرت همه تن جسم مجنون
ز والا شاهیان جمعی جفاکش   ز اشک و آه غرق آب و آتش
زده شبخون غنیم فاقه بر دل   همه در خون طپان چون صید بسمل[۴۰]

خاندانی امرا کی ناقدری اور نو دولتیوں کا عروج:

شاعر پرانے شرفا کی ناقدری اور نو دولتیوں کے عروج پر نوحہ کناں ہے۔ کہتے ہیں پرانے امرا ایسے بے قدر و قیمت ہوئے جیسے لوٹ کا مال۔ ہر کوئی اپنی عزت بچانے کی فکر میں ہے۔ کیا آشنا اور کیا غیر، کوئی بھی بے غم، خوش اور ہنستا ہوا نہیں ہے۔ سب حیران، سرگرداں اور رسوا ہیں۔ سوائے نوابوں اور نو دولتیوں کے جو دولت سے مالا مال، خوشحال، خنداں اور کھلے ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں سے کلفت کا غبار صاف ہو چکا ہے۔ یہ گدا گر کیوں خوش نہ ہوں، انھوں نے دنیا کو لوٹ کھایا ہے۔ اس سے پہلے آدمی اور گدھے میں فرق تھا، لیکن اب تو گدھوں کے ریوڑ نے انسانوں کی جگہ لے لی ہے۔ اب سب موتیوں سے مزیّن لباس پہنے، خاں، نواب اور بہادر بنے بیٹھے ہیں۔ انھوں نے ہی شاہی خزانہ ہڑپ کیا ہے۔ سب کچھ اس طرح کھا گئے ہیں کہ ہندوستان کی سیاہی بھی لے اُڑے۔ [ہند کے ساتھ تیرگی اور سیاہی کا تصور فارسی شعر و ادب کی تاریخ کا حصہ ہے۔]

امیران کهن بی قدر و قیمت   چو رخت مرده پامال غنیمت
به فکر آبرو افتاده هر یک   به تسلیم و رضایش داده هر یک
به چشم معرفت بین سیر کردم   نظر بر آشنا و غیر کردم
ندیدم فردی از افراد انسان   که باشد بی غم و شادان و خندان
همه سرگشته و حیران و رسوا   ز بی داد فلک در وای ویلا
مگر نواب و خان نورسیده   که هر یک زیر بار زر خمیده
همه خوش حال و خندان و شگفته   ز دل ها گرد کلفت پاک رفته
ز جوش خنده های بی محابا   دهن ها همچو فرج ماچه خر وا
شده سرگرم بازی کودکی چند   به سرخ و زرد دنیا گشته خرسند
چرا خرم نباشند این گدایان   که عالم را فرو بردند ایشان

ازین پیش امتیازی درمیان بود   ز خر تا آدمی فرقی عیان بود
ندانم گاو خورد آن کهنه دفتر   که آمد جای آدم گلّهٔ خر
بسی گرگین خران کوی و بازار   که هر یک بود خوار و گنده مردار
کسی رحمی نخوردی ، گه ندادی   که خر هم سوی کهدان ره ندادی
کنون هر یک به دولت خانهٔ خاص   لگد پرتاپ و دندان گیر و رقاص
همه از سیم و زر در زیر بارند   قطار اندر قطار اندر قطارند
همه خان اند و نواب و بهادر   مزیّن با لباس گوهر و دُر
فرو بردند گنج پادشاهی   تراشیدند از مه تا به ماهی
سواد ملک را یکسر سپردند   ز هندوستان سیاهی نیز بردند[۴۱]

زر پرستوں کا بیان:

شاعر نے نو دولتیوں کی زر پرستی کے بارے میں کہا ہے کہ یہ پیسے کے غلام ہیں، ان کا خدا، رسول، دین اور دل سب زر ہے۔ انھیں خدا کا خوف ہے نہ اس کے رسول کا؛ یہ دہریے، بے دین اور ناپاک ہیں۔ رشوت لینے میں کم و زیاد کے قائل نہیں، چاہے مٹی ہو، چاہے دولت، رشوت میں سب کچھ لے لیتے ہیں:

نموده هر یکی از جهل و مستی   بجای حق پرستی ، زر پرستی
ز خاوند حقیقی در گریزاند   غلام پیسه و داو و پشیزند
به نزد این سگان نفس پرور   خدا زر ، مصطفیٰ زر ، دین و دل زر
نه ترسی از خدا ، نه از رسولش   نه بیمی در دل از ردّ و قبولش
خدا منکر ، پیمبر ناشناسان   از ایشان دنیی و عقبیٰ هراسان
همه دهریه و ناپاک و بی دین   سزاوار هزاران لعن و نفرین
به بازار جلادت در خروشند   متاع دین به دنیا می فروشند
به اخذ رشوه بیش و کم ندانند   اگر خاک است ، اگر زر ، می ستانند[۴۲]

مُردوں کی زنانہ وضع قطع:

شاعر نے اپنے دور کے مَردوں کے زنانہ اطوار اپنانے پر بہت عمدہ طنز کی ہے اور انھیں

ہیجڑوں کا ٹولہ قرار دیا ہے۔تیموریوں کے آخری دور میں بعض نواب اور امیر زادے عورتوں کا لباس پہنتے تھے۔اس کی مثالیں اس دور کی تاریخوں اور تذکروں میں ملتی ہیں:

در اطوار زنانہ جملہ اُستاد   زنان از جور این مردان بہ فریاد
ہمہ پیر و جوان خاطر فریب اند   تکلف بر طرف خوش جامہ زیب اند
ز غلمان بہتر اند و خوش تر از حور   بلی زین جمع حیزان چشم بد دور
نثار آن قد و رفتار یاران   تف و لعنت ز ہر سو ہمچو باران

ادب اور موسیقی کا زوال:

ہندوستان میں تیموری دور میں سلاطین ،امرا اور نوابین کی طرف سے علم و ادب ،شعر وسخن اور فنون لطیفہ کی سرپرستی ضرب المثل ہے۔آل تیمور کے زوال پذیر ہوتے ہی ،شعر وشاعری پر بھی زوال اور ابتذال آگیا۔شاعر نے نو دولتیوں اور جدید نوابوں کا حال یہ بتایا ہے کہ اپنی گونا گوں کثافتوں کے باوجود ان کی طبیعت شعر و لطافت کی طرف مائل ہے۔علم اور خودنمائی کے لیے بے مزہ اور پوچ باتیں کرتے ہیں۔فارسی اشعار ہندوستانی اسلوب میں پڑھتے ہیں اور اسے بے وزن کردیتے ہیں۔یہی حال آواز خوانی (موسیقی) اور ترنم کا ہے ،جیسے بدآواز کوے کائیں کائیں کررہے ہوں۔مجموعی طور پر یہ فنون کے انحطاط اور ابتذال کا زمانہ ہے:

عجب تر این کہ با چندین کثافت   طبایع مائل شعر و لطافت
پی اظہار فضل و خودنمایی   ز پوچ و بی مزہ در ژاژ خایی
بہ کنہ نکتہ ہرگز پی نبردہ   عنان دل بہ کج بحثی سپردہ
بہ زور بی حیایی غرہ [ای] چند   خر بی دانشی را کرہ [ای] چند
بطور ہند شعر فری خوانند   سخن را بند از ہم بگسلانند
قرانی بود در طالع زمان را   کہ گیرد این زمان ہندوستان را
غزل خوانند با صد نغمہ [و] چنگ   تخنث پیچگان حیز آہنگ
سخن گر بر زبانش رہ نوردد   نزاکت حیز و شوخی قحبہ گردد
ز صرصر باج می گیرند در حرف   ادا ہای خنک شان بارش برف
ہمہ افسردہ دم، پژمردہ طبعان   خنک رو تر ز شب ہای زمستان

کلاغی چند بد آواز بی ساز   بہ رغم عندلیبان نغمہ پرداز[43]

متاخر تیموری امرا کی بساطِ نشاط گستری:

شاعر نے آخری تیموری دور کے امرا کے عیش ونشاط کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے کھیل تماشے نے ملک ہند کو ویران کردیا تھا۔[ایسی کچھ مثالیں ہمیں مرقع دہلی (درگاہ قلی خاں)،جامع التذکرہ (محمد انصار اللہ) اور تاریخ مشایخ چشت (خلیق احمد نظامی) کے دیباچے میں مل جاتی ہیں]:

مدام خرس ہا از قوم غول اند   کہ بی نی مست و بی دف در عجول اند
ہمہ خندان و پا کوبان چو لولی   ولی سرگرم رقص بی اصولی
گروہی بی وقوف و طفل نادان   بہ بازی کرد ملک ہند ویران[44]

سلفِ نیک کی یاد:

اورنگ زیب کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے معاشرتی و اخلاقی انحطاط کا سارا نقشہ کھینچ کر،شاعر پرانے زمانے اور سلفِ نیک کو یاد کرتا ہے۔ہر شعر سوالیہ ’’کجا‘‘ سے شروع ہوتا ہے جس کی تکرار نے زور بیان اور شدت احساس پیدا کردی ہے:

کجا رفتند دانایان عالم؟   نمی بینم یکی از جنس آدم
کجا رفتند جمعی کار دیدہ؟   بہ کنہ جملہ نیک و بد رسیدہ
کجا رفتند جمع نیک مردان؟   بہ صحرای حقیقت رہ نوردان
کجا رفتند پاکان ، سینہ چاکان؟   ز بیم عافیت در خون ہلاکان

جہان آشوب شاعر کی نظر میں:

یکتا نے اس مثنوی میں معاشرے کے جن طبقات کی مذمت کی ہے،وہ اسے ’’ہجو ملیح‘‘ کہتا ہے اور خود کو اس میں حق بجانب گردانتا ہے۔اس کا حسن اعتذار قابل داد ہے۔شاعر کے بقول ان ’’گدھوں‘‘ کی دُم میں باندھ دینی چاہیے اور ان موذیوں کو طعن ولعن کرکے، جوتے اور گھونسے مار کر ختم کردینا چاہیے:

بگفتم وصف ہر کس گفتنی بود   کہ این خر مہرہ ہای سفتنی بود

نہ این ہا لایق ہجو ملیح اند   کہ زشت اند و دنی اند و قبیح اند
کشیدم از شما صد قشقۂ نیل   کہ نتوانند شست آن را بہ صد سیل
درین اشعار گر سہو و خطا رفت   نہ یہالش توان گفتن، بجا رفت
چرا شاعر ازین گردد معاتب   میان تفرقہ بین مخاطب
کہ باید این خران را دیگی بست   بہ ہر حالت کہ باید می توان جست
بہ طعن و لعن و کفش و شط و مشت   توان این موذیان خیرہ را کشت

مثنوی جہان آشوب کے ادبی اور بلاغی محاسن:

مثنوی کی بحر:

یکتا کی یہ مثنوی، جامی کی یوسف وزلیخا اور غنیمت کی نیرنگ عشق کے وزن پر ہے۔ یعنی مفاعیلن مفاعیلن فعولن۔ یہ بحر رومانوی فارسی مثنویوں کے لیے برصغیر میں بہت مقبول رہی ہے۔ البتہ یکتا نے یہ بحر سماجی ابتری اور معاشرتی بدحالی کے بیان کے لیے استعمال کی ہے۔

خیال باقی یا وقت خیال (لحاظ سبک ہندی):

لب خاموش من زین درد جانکاہ   "شدہ مقراض بال طایر آہ"[25]

حل وارہ :

ولی این سوز دل تا کی نگفتن   کہ "در خس شعلہ را نتوان نہفتن"[26]
ز ہر جنسی نمودم گونہ گونہ   کہ "در خرمن بود مشتی نمونہ"[27]

الفاظ کی صنعت گری

شاعر نے "مویدن" (رونا) اور "مو بہ مو" (شرح وبسط) کی رعایت سے صنعت گری کی ہے:

مختصین شرح حال خویش گویم   کہ "مویہ زان مصیبت مو بہ مویم"[28]

مخصوص لب ولہجہ:

بہار آیینۂ داغ جنون بود   گل دشت و چمن طوفان خون بود[29]

بہاریہ منظر کشی:

یہ یکتا کا پسندیدہ موضوع اور خاص میدان ہے۔ اس کے رسالہ شش فصل میں بھی اس کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں ان کا فن، اوج کمال کو پہنچا ہوا ہے:

رسیدم صبح در دامان دشتی   کہ موج لالہ از فرقم گذشتی
ز شبنم بد چراغ لالہ روشن   ہوا در آتش گل ریخ روغن
صبا را نشاء کیفیت مُل   لطافت موج خیز نکہت گُل
چہ صحرا آتش گل در گرفتہ   محیط شعلہ اش در بر گرفتہ
ز جوش لالہ آن دشت گلستان   سراسر شعلہ موج و برق طوفان
گل افشان ہر طرف رعنا بہاری   ہجوم شعلہ و جوش شراری
چکیدن ہای رنگ شوخی گل   رمیدن ہای دود زلف سنبل
دوان صحرا سر ہر غنچہ و گل   چو گوئی در خم چوگان سنبل
ز نشر غنچہ و گل دشت و صحرا   جگر پاشیدہ و دل بستہ ہر جا
عجیب دشتی نگارستان ارژنگ   بہار جلوۂ طاووس نیرنگ[30]

حسن تراکیب:

شاعر نے قاصد کی باد رفتاری اور تیزخرامی کا بیان "شعلہ برق" اور "تیر شہاب" جیسی تراکیب کی مدد سے خوب کیا ہے۔ گویا ایک روایتی موضوع ہے، مگر خوب نبھایا ہے:

غرض در عین گل گشت و تماشا   نمایان گشت پیکی دشت پیما
چہ پیکی شعلہ برق اضطرابی   سریع و تند چون تیر شہابی
رمیدہ وحشتی آشفتہ انداز   خرامان جلوہ [ای] بر دوش پرواز[31]

"آباد" کے لاحقے سے "ہجوم آباد" کی نئی ترکیب نکالی ہے:

ہم گرد آمدہ جمع پریشان   ہجوم آباد بود از غول انسان[32]

صنعت تضاد/ پیراڈوکس:

ز دست مفسدان ظلم بنیاد   جہان گردید از ویرانی آباد[33]

صنعت طباق:

لقای بوم شان مرگ و هلاکت   لباس شوم شان ننگ و فلاکت[۳۴]

صنعت حسن تعلیل:

ز فیضت عالمی سیراب گردید   دل دریا ازین رشک آب گردید[۳۵]

تشبیہ:

دهان گرداب سر در گم فتادم   به رنگ جوش می در خم فتادم[۳۶]

یہاں جملۂ معترضہ یہ ہے کہ مذکورہ شعر میں حرف تشبیہ" بہ رنگ/برنگ" سبک ہندی میں زیادہ رائج رہا ہے۔حتیٰ کہ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کی نثر میں بھی حروف تشبیہ: مانند،مثل،ہچو کے مقابلے میں" بہ رنگ" ہی کا استعمال زیادہ ملتا ہے۔

رسیدم بر سر راهی، نشستم   چو اشکی در بر آهی، نشستم[۳۷]

جزئیات نگاری:

شاعر نے ایک بازار کی ہجو میں خوب دادِ سخن دی ہے ۔بازار کی نقشہ کشی میں جزئیات نگاری قابل تعریف ہے۔شاعر کا مقصد اس بازار کی کثافت اور غلاظت کا نقشہ کھینچ کر،کراہت پیدا کرنا ہے جس میں وہ کامیاب رہے ہیں:

عجب بازار پُر قحط و فلاکت   مکانِ زحمت و کانِ هلاکت
ز بوی گنده شور و ولوله بود   به هر سو مستراح و مزبله بود
دو جانب خیل کناسان نشسته   صف نقّان عطاران شکسته
ز هر صنفی دکان ها عرض کرده   نجاست از جهنم قرض کرده
به جای آزد بقّالان ز هر جا   ز خاک و ریگ پُر کرده سبدها
ز مسجد گرچه خالی گشته انبان   و لیکن از شپش پُر جیب و دامان
وفور کیک چون زیره به کرمان   همه مصروف خان و نو امیران
چه نقصان گر عدس نرخش فزوده   کنه افتاده هر جا توده توده
ندیدم دانه ای از جنس غله   و لیکن غله خوران گله گله

پلی یک جو به سرها خاک کرده   چو گندم سینه ها را چاک کرده
تلاش غله خود آن جا هوس بود   به جای ماش انبوه مگس بود[۳۸]

ہم قافیہ آوازیں:

شاعر نے ایک بیت میں پانچ بار ہم قافیہ آوازیں استعمال کی ہیں جس سے صوتی حسن بڑھ گیا ہے اور نتیجے میں زورِ بیان بھی:

چه مردم ، آدمیت از میان گم   سگ بی دم، خری بی سُم،نه مردم[۳۹]

تین لفظی ردیف:

یکتا زیادہ تر ردیف سے بچتے ہیں اور محض قافیہ لاتے ہیں۔ردیف آتی بھی ہے تو مفرد۔مثنوی کی یہی عمومی روایت ہے۔بعد میں سبکِ ہندی کے شاعروں –مثلاً بیدل– کی مثنویوں میں کثرت ردیف اور وہ بھی ردیفِ مرکب سامنے آئی۔یکتا کے ہاں قدما کی روش ہی پسندیدہ ٹھہری ہے۔مثنوی کے ایک شعر میں تین لفظی ردیف کا استعمال چونکہ نادر تھا،اس لیے یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

همه وابسته های لولی چرخ   زنجیر جسته های لولی چرخ[۴۰]

تکرار مصرع:

شاعر نے اپنے ایک مصرع کو دوجگہ استعمال کیا ہے۔دوسرے بیت میں نکتہ آفرینی لائقِ تحسین ہے:

جهان یک بارگی زیر و زبر شد   زمین دیگر و چرخ دگر شد[۴۱]
جهان یک بارگی زیر و زبر شد   که سر شد جای پای و پای سر شد[۴۲]

اظہار سپاس:

پروفیسر ڈاکٹر غلام محمد لاکھو(صدر شعبۂ عمومی تاریخ،سندھ یونی ورسٹی سنٹرل لائبریری،جام شورو) کی عنایت سے اس نسخے کا عکس ملا۔بعد میں،انھی کے تعاون سے میں نے ۱۸ اپریل ۲۰۱۳ء کو خود جام شورو جا کر یہ نسخہ دیکھا اور عکس کی رُو سے مثنوی کی نقل کا اصل سے تقابل کیا۔مثنوی کی نقل میں بہت سے لاینحل مقامات پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی (صدر شعبہ فارسی،اورینٹل کالج،پنجاب یونی ورسٹی،

لاہور) کی راہ نمائی میں حل ہوئے اور مثنوی کے بلاغی محاسن پر ان کے بتائے ہوئے بہت سے نکات میرے کام آئے۔ مثنوی کی نقل نویسی اور حروف نگاری میں ڈاکٹر عصمت درّانی (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ فارسی، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور) کی معاونت حاصل رہی۔ میں ان تمام احباب کا شکر گزار ہوں۔

حوالہ جات:

* سابق پروفیسر شعبۂ فارسی، گورڈن کالج، راول پنڈی۔

۱۔ عبا چیون، "شہر آشوب" در فرہنگ نامۂ ادبی فارسی بہ سرپرستی حسن انوشہ جلد ۲ (تہران: دانشنامۂ ادب فارسی، ۱۳۷۶ ہجری شمسی): ص ۹۱۳-۹۱۴۔
احمد گلچین معانی، شہر آشوب در شعر فارسی جلد ۱ (تہران: ۱۳۸۰ھ ش)، ص ۳۳۔۷۔

۲۔ مسعود سعد سلمان، دیوان مسعود سعد بہ تصحیح و اہتمام مہدی نوریان (اصفہان: انتشارات کمال، ۱۳۶۴ھ ش)، ص ۹۱۳۔

۳۔ عارف نوشاہی، گوہر یکتا (راول پنڈی: الفتح پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)۔

۴۔ غلام علی آزاد بلگرامی، سرو آزاد بہ تصحیح و تحشی عبداللہ خاں (لاہور: مطبع دخانی رفاہ عام، ۱۹۱۳ء)، ص ۲۰۰۔

۵۔ غلام علی آزاد بلگرامی، ید بیضا انتخاب شعرامے سند از تذکرۂ ید بیضا بہ قلم اعجاز الحق قدوسی، عکسی نقل، ص ۳۴۔

۶۔ بندرابن داس خوشگو، سفینۂ خوشگو جلد ۳ مرتبہ شاہ محمد عطاء الرحمان کاکوی (پٹنہ: ۱۹۵۹ء)، ص ۱۹۰۔

۷۔ بھگوان داس ہندی، سفینۂ ہندی مرتبہ شاہ محمد عطاء الرحمان کاکوی (پٹنہ: ۱۹۵۸ء)، ص ۲۶۴۔

۸۔ نجم الاسلام "بیاض نظیم" تحقیق شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو، شمارہ ۲ (۱۹۸۸ء): ص ۱۳۸۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۱۱۔

۱۰۔ احمد یار خاں یکتہ، جہان آشوب مشمولہ بیاض میرزا محمد نظیم میرانی بھائی، قلمی، سندھ یونی ورسٹی سنٹرل لائبریری، جام شورو، نمبر 113528، ص ۵۳۶۔

۱۱۔ سفینۂ خوشگو جلد ۳، ص ۱۹۱۔

۱۲۔ جہان آشوب، ص ۵۳۶۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۳۶۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۳۶۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۵۳۷۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۵۳۹۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۵۳۹۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۳۱۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۵۳۲۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۵۳۲۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۵۳۳۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۵۳۳۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۵۳۲-۵۳۵۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۵۳۵۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۵۳۵۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۵۳۵۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۵۳۲۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۵۳۶۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۵۳۶۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۵۳۶۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۵۳۶۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۵۳۱۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۵۳۰۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۵۳۳۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۵۳۶۔

۳۶۔ ایضاً، ص ۵۳۱۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۵۳۲۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۵۳۱۔۵۳۲۔

۳۹۔ ایضاً، ص ۵۳۳۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۵۳۵۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۵۳۵۔

۴۲۔ ایضاً، ص ۵۳۵۔

مآخذ:

آزاد بلگرامی، غلام علی۔ سرو آزاد۔ بہ تصحیح و تحشی عبداللہ خان۔ لاہور: مطبع دخانی رفاہ عام، ۱۹۱۳ء۔

________۔ ید بیضا انتخاب شعرامے سند از تذکرۂ ید بیضا بہ قلم اعجاز الحق قدوسی۔ عکسی نقل۔ مملوکہ راقم الحروف۔

خوشگو، بندرابن داس۔ سفینۂ خوشگو۔ دفتر ثالث۔ مرتبہ شاہ محمد عطاء الرحمان کاکوی۔ پٹنہ: ۱۹۵۹ء۔

سلمان، مسعود سعد۔ دیوان مسعود سعد۔ بہ تصحیح و اہتمام مہدی نوریان۔ اصفہان: انتشارات کمال، ۱۳۶۴ھ ش۔

عبا چیون۔ "شہر آشوب" در فرہنگ نامۂ ادبی فارسی۔ بہ سرپرستی حسن انوشہ۔ جلد ۲۔ تہران: دانشنامۂ ادب

بنیاد جلد ۵، ۲۰۱۴ء

فارسی،۱۳۷۶ش۔

گلچین معانی،احمد۔شہرآشوب در شعر فارسی۔تہران:۱۳۸۰ھ ش۔

نجم الاسلام۔"بیاض مظہم"۔تحقیق،شعبۂ اردو،سندھ یونی ورسٹی،جام شورو،شمارہ۲(۱۹۸۸ء)۔

نوشاہی،عارف۔گوہر یکتا۔راول پنڈی:الفتح پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء۔

بھگوان داس ہندی۔سفینۂ ہندی۔مرتبہ شاہ محمد عطاء الرحمان کاکوی۔پٹنہ،۱۹۵۸ء۔

یکتا،احمد یارخان۔جہان آشوب۔مشمولہ بیاض میرزا محمد مظہم مہرانی ہمانی،قلمی،سندھ یونی ورسٹی سنٹرل لائبریری،جام شورو،نمبر 113528۔